Lesson 1: Yusuf (Ayaat 1- 18): Day 4

سُوۡرَةُ یُوسُف کی تفسیر

آیت نمبر سات۔اب دوبارہ بات قصے کی طرف لے کے جائی جارہی ہے۔ قرآن پاک کا یہ بہت خوبصورت انداز ہے کہ بجائے بات کہانی کے طور پہ شروع ہو اور آخر تک چلتی جائے، بیچ میں نصیحت اور عمل کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔

لَقَدۡ كَانَ فِىۡ يُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآٮِٕلِيۡنَ ﴿۷﴾

حقیقت یہ ہے کہ یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں اِن پوچھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

یہ پوچھنے والے کون تھے؟ مشرکینِ مکہ، جنہوں نے یہود کے اُکسانے پر سوال پوچھا۔ اور سَّآٮِٕلِيۡنَ کی ایک اور تفسیر دیکھی جائے تو اس سے مُراد یوسفؑ کے بھائی بھی ہیں۔یعنی دونوں طرف کی بات صحیح لی جاسکتی ہے وہ یہودِ مدینہ ہوں یا مشرکینِ مکہ ہوں۔ وہ اس سے نشانیاں لے سکتا ہے۔ اٰيٰتٌ سے یہاں سبق مُراد ہے۔ دنیاوی کہانیاں پڑھنے والے عموماً کھانے پینے، نماز سے دُور ہو جاتے ہیں لیکن قرآن کا کہانی سُنانا نصیحت والا ہے۔ اور اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کسی چیز کو صرف لذت کے لیئے نہیں سُننا اور سُنانا چاہیئے، یہ دیکھیں کہ زندگی بہت مختصر ہے۔

فِىۡ يُوۡسُفَ وَاِخۡوَتِهٖۤ یوسفؑ اور اُن کے بھائیوں کے بارے میں۔ حضرت یوسفؑ کو تو ہم سمجھ چُکے۔ ان کے بھائیوں کے بارے میں دیکھیں۔ یوسفؑ کے دس بھائی تھے اور ایک سگا بھائی تھا۔ یہاں سے ایک اور نقطہ پتہ چلتا ہے کہ باپ چاہے ایک ہی ہو لیکن ماؤں کے فرق سے اولادوں میں فرق ہوتا ہے۔ اسکو اگر آپ اپنی عملی زندگی میں بھی دیکھیں تو جب کسی شخص کی ایک سے زیادہ شادیاں ہوتی ہیں تو پیدا

ہونے والے بچے اپنی ماں کا پر تاؤ ہوتے ہیں۔ یہ دس بھائی ابھی نبی نہیں بنے تھے لیکن روایات میں آتا ہے کہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی نبوت کے منصب پہ فائز کر دیا تھا۔

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨﴾

یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے آپس میں کہا "یہ یوسفؑ اور اس کا بھائی، دونوں ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں سچی بات یہ ہے کہ ہمارے ابا جان بالکل ہی بہک گئے ہیں۔

یہاں بات کرنے کا اسٹائل دیکھیں۔ پیچھے کیا تھا اے میرے پیارے ابا جان۔ یوسفؑ کا بات کرنے کا انداز بہت نرم اور خوبصورت تھا۔ اور یہاں بھائیوں کا انداز دیکھیں کہ جب اُنہوں نے دیکھا کہ حضرت یوسفؑ اپنے کردار اور اخلاق کی وجہ سے باپ کی زیادہ توجہ لیتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ جن بچوں کی مائیں فوت ہو جائیں تو پھر باپ اُن سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ تو یہ بھائی تقابل کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ہم تعداد میں زیادہ ہیں۔ عُصْبَةٌ دس یا دس سے زیادہ مردوں کی جماعت کے لیئے آتا ہے۔ اور ساتھ ہی کتنا توہین آمیز جملہ اُنکے منہ سے نکلتا ہے۔ ان بھائیوں کا رویہ دیکھیں کہ باپ کے خلاف باتیں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہمارا باپ بھٹک گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اولادیں ماں باپ کے بارے میں ایسے الفاظ نہیں بول سکتیں۔

اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں کہتے ہیں کہ اپنے دونوں بازو عزت کے ساتھ اُنکے آگے جُھکا دو۔ اکثر بچے اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچتے ہیں کہ مجھ سے کم پیار کرتے ہیں اور دوسرے بھائی یا بہن سے

زیادہ کرتے ہیں تو ایسے موقع پہ خود کو دیکھیں کہ میرا رویہ اُنکے ساتھ کیسا ہے۔ماں باپ نیکیوں کی پٹاری ہوتے ہیں۔وہ بچوں کو دعائیں دیتے ہیں پھر اُسی سے رزق ملتا ہے، اُسی سے نعمتیں ملتی ہیں۔تو یہاں بھائیوں نے خود ہی سوچا اور شیطان نے اُنہیں بہکایا۔

اقۡتُلُوۡا یُوۡسُفَ اَوِ اطۡرَحُوۡہُ اَرۡضًا یَّخۡلُ لَکُمۡ وَجۡہُ اَبِیۡکُمۡ وَ تَکُوۡنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ قَوۡمًا صٰلِحِیۡنَ ﴿۹﴾

چلو یوسفؑ کو قتل کر دو یا اسے کہیں پھینک دو تا کہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے یہ کام کر لینے کے بعد پھر نیک بن رہنا" ۔

باپ کی محبت لینے کا حل کیا نکالا کہ باپ کی محبت اُس سے دُور کر دو۔بہت سے ناسمجھ لوگ محبتیں لینے کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔اور جن بچیوں کی تربیت دین کے مطابق نہ کی جائے وہ سُسرال میں جا کر عموماً اپنے شوہر کی محبت لینے کے لیئے یہی طریقہ اختیار کرتی ہیں کہ شوہر کو اُس کے والدین سے دور کر دو تو شوہر تمہارا اور پیارا ہو جائے گا حالانکہ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔محبت کے مقابلے میں نفرت اور نفرت کے مقابلے میں محبت کبھی نہیں ملے گی۔

هم سب کو اپنے عمل کو دیکھنا چاہیئے کہ ہم کہیں اپنے رشتہ داروں یا پیاروں کو دوسروں کے خلاف تو نہیں کرتے۔ یہ اُنکا حسد سے بھرا جذبہ تھا کہ باپ کی محبت لینے کے لیئے ایسا کرنا چاہ رہے تھے۔کہ کوئی بات نہیں یوسفؑ کو ختم کر دیتے ہیں پھر اس کے بعد نیک بن کر رہیں گے۔اس سے بہت سی باتیں پتہ چلتی ہیں کہ چھوٹی مشکل کو بڑی مشکل میں ڈھال رہے ہیں۔ہم ایک چھوٹا سا اختلافِ رائے نہیں برداشت کرتے نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ بعد میں بڑی بڑی جنگیں لڑنا پڑتی ہیں۔اگر آپ کا کسی سے بھی کوئی

جھگڑا ہو چاہے وہ سُسرال ہو یا شوہر ہو تو سوچیۓ کہ میں آج جو طریقہ کار اختیار کرنے لگی ہوں کیا اس سے حالات پہلے سے بہتر ہوں گے یا اور بگڑ جائیں گے۔ اور بعض اوقات چھوٹی بات کے بدلے ہم بڑی بڑی جنگیں مول لے لیتے ہیں۔

پھر دوسری بات دیکھیں کہ بھائی کے قتل کی بات کر رہے ہیں۔ اَقْتُلُو۔ اس سے بڑھ کے بھی کوئی شیطان کی باتوں میں آسکتا ہے جو غلط سے غلط کاموں کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور کیا حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں میں فرق کرتے تھے؟ نہیں کرتے تھے۔ پیغمبر کیسے ناانصافی کر سکتے ہیں جبکہ وہ تو دوسروں کو عدل اور انصاف کی دعوت دیتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر بچہ اپنے رویۓ کے مطابق پیار لیتا ہے۔ تو بیٹوں کو یہ لگتا تھا کہ باپ ہمیں کم پیار کرتا ہے اور جو اولاد جتنی نافرمان ہو گی اُس کو اُتنا ہی لگے گا کہ ماں باپ اُس سے کم پیار کتے ہیں اور دوسروں سے زیادہ کرتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ماں باپ کی صرف ظاہری تعظیم نہیں کرنی چاہئیے۔ اچھے اخلاق رکھنے والے بچوں کو جو دُعائیں ملتی ہیں اُن سے بھی نصیب سنورتا ہے۔ اور نافرمان بچے بدُعاوں سے ہی بچ جائیں تو بڑی بات ہے۔ حقوق الوالدین ہوتے ہیں ماں باپ کے حقوق اور عقوق الوالدین ہوتے ہیں ماں باپ کی نافرمانی۔

ایک اور بات کہ یہ بھائی کہہ رہے ہیں ہم عُصۡبَةٌ ؕ ہیں۔ یعنی تعداد میں زیادہ ہیں۔ تو کیا اس لیے پیار کیا جائے جبکہ جو بچہ کسی بھی معاملے میں کمزور ہوتا ہے ماں باپ اُس سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ ایک اور چھوٹی سی بات نوٹ کر لیں کہ انہی دس بھائیوں سے بعد میں بنی اسرائیل کے دس قبیلے نکلے تھے۔ دو حضرت یوسفؑ اور بنیامیں سے۔ جو آج بھائیوں کا کردار تھا وہی کل پوری بنی اسرائیل کا کردار بنا۔ قتل،

حسد انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ یہ سارے رویے نبیؐ کو سُنائے جارہے ہیں۔ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ۔ اس سے کیا پتہ چلتا ہے گناہ آج اور توبہ کل۔

کئی لوگ غلط کاموں کو صحیح مقصد کا نام دے دیتے ہیں۔ آج بھی لوگ یہی کرتے ہیں۔ کہ کوئی بات نہیں حج کرلیں گے، بعد میں معافی مانگ لیں گے لیکن یہ صحیح طریقہ نہیں ہے اگر گناہ چھوڑنا ہے تو آج ہی چھوڑیئے۔ عربی زبان میں 'نفس' کو دودھ پیتے بچے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کہ جب بچے کو دودھ چھُڑوانا ہے تو ایک دم چھُڑوادو۔ اگر آپ یہ کریں کہ بچہ رویا پھر دودھ دے دیں، پھر چھُڑوادیں، پھر دے دیں تو بچہ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ اسی طرح اگر گناہ چھوڑنا ہے تو ایک دم چھوڑ دو۔ تھوڑا چکھنے سے اور بھوک آ جاتے ہے۔ تو گناہوں کو چھوڑنا ہے تو ایک دم چھوڑنا پڑے گا نہ کہ یہ کہیں تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۔ آج برے بڑے کنسرٹس ہوتے ہیں وجہ زلزلے سے متاثرہ لوگوں کے لیے۔ نفس کی پیروی تو جلدی کریں اور توبہ بعد میں تو یہ نفس کا شر ہے۔

یہاں سے اُنکے ضمیر کی ایک کشمکش بھی نظر آرہی ہے۔ گناہ کا بوجھ تو ہوتا ہے۔ بھائی تو قتل کرنا چاہ رہے ہیں۔ ملامت بھی محسوس ہو رہی ہے لیکن حسد کا جذبہ اتنا غالب ہوا کہ انسانیت کو پیچھے کر دیا۔ سورۃ مائدہ میں ہم ہابیل اور قابیل کا قصہ بھی پڑھ چکے۔ کہ قابیل کے نفس نے اُس کو آمادہ کر ہی لیا کہ اوہ اپنے بھائی کو قتل کرے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ

﴿۱۰﴾ اس پر ان میں سے ایک بولا "یوسفؑ کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو کوئی آتا جاتا قافلہ اسے نکال لے جائے گا" ۔

یہ منع کرنے والا کون تھا؟ کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے بڑا بھائی "یہودہ" تھا۔ کچھ لوگ "رُبیل" کا نام بھی لیتے ہیں۔ یعنی بہت بُروں میں کم بُرا۔ غَيَٰبَتِ کہتے ہیں جو چیز دوسرے کو اپنے اندر چُھپا لے اور جُبِّ کہتے ہیں پُرانے کنواں جس کی دیواریں نہ ہوں۔ عربی میں قبر کو بھی غَیب کہتے ہیں۔ تو پُرانے کنوئیں میں کیوں ڈال آوٴ کہ پانی تو نہیں ہو گا، بیٹھا رہے گا۔ جب کوئی پانی لینے آئے گا تو اسے اُٹھا لے گا۔ يَلۡتَقِطۡهُ گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔ کوئی اغواء کر لے گا یا لے جائے گا کم از کم ماریں تو نہ۔ السَّيَّارَةِ، سَيَّارَ سے ہے۔ وہ جماعت جو سفر کے لیے جا رہی ہو۔ سیر اس کا روٹ ہو گا۔ زمیں میں چلنا۔ السَّيَّارَةِ قافلے کو کہتے ہیں۔

قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰى يُوۡسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اس قرارداد پر انہوں نے جا کر اپنے باپ سے کہا "ابا جان، کیا بات ہے کہ آپ یوسفؑ کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں؟

اب یہاں اللہ نے ساری باتیں چھوڑ کر براہِ راست تفصیلات سامنے رکھیں۔ اور اس سورۃ میں کئی جگہوں پہ آپ کو اپنے تصور سے بھی چیزوں کو جوڑنا پڑے گا۔ اپنے دل میں چور تھا تو باپ کو کہہ رہے ہیں۔ مَا لَكَ آپ تو ہم پر بھروسہ ہی نہیں کرتے۔ دوسرے پر الزام لگائیں تاکہ اگلا پریشان ہو کے آپ کی بات مان لے۔ تو کہہ رہے ہیں کہ آپکو تو ہم پہ بھروسہ ہی نہیں حالانکہ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوۡنَ۔ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔ دیکھیں لفظوں سے جو خیر خواہی نکل رہی ہے۔ کیا رشتے داریوں میں ہم بھی ایسے diplomatic جُملے نہیں بولتے۔

اوپر سے کہتے ہیں بڑی خوشی ہوئی اور اندر سے جل رہے ہوتے ہیں کہ یہ رشتہ کیوں ہو گیا۔ یہ لوگوں کی پُرانی عادت ہے زبان پہ کچھ دل میں کچھ۔ اور اسطرح وہ سمجھتے ہیں کہ اگلے کو ہماری باتوں کا یقین آ جائے گا۔ یقین نہیں آتا بلکہ بات اور بُری لگتی ہے۔

اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۱۲﴾

کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، کچھ چر چگ لے گا اور کھیل کود سے بھی دل بہلائے گا ہم اس کی حفاظت کو موجود ہیں"۔

پہلے باپ کو تنگ کیا، پھر اجازت مانگی، اجازت ملنے کی بات ذرا قریب ہوئی تو کہا کہ اسکو ہمارے ساتھ بھیجیں۔ ہم کھائیں پیئں گے۔ يَّرۡتَعۡ چرنے کے لیے آتا ہے۔ جسکو آج کے دور میں سنیکنگ کہہ سکتے ہیں۔ سیر میں عموماً انسان کھاتا پیتا ہے۔ تو جو جتنا جھوٹا ہوتا ہے اُتنے دعوے کرتا ہے۔ کہنے لگے کہ آپ فکر نہ کریں ہم اس کی حفاظت کریں گے۔ آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

قَالَ اِنِّىۡ لَيَحۡزُنُنِىۡۤ اَنۡ تَذۡهَبُوۡا بِهٖ وَاَخَافُ اَنۡ يَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ وَاَنۡتُمۡ عَنۡهُ غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

باپ نے کہا "تمہارا اسے لے جانا مجھے شاق گزرتا ہے اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے جبکہ تم اس سے غافل ہو"۔

یعقوبؑ نے اپنے دل کے حُزن کا اظہار کر دیا۔ حُزن کہتے ہی دوسرے کے غم کو ہیں۔ اصل میں یہ ٹالنے کا انداز تھا۔ یہ بات جو ان کے منہ سے نکل گئی کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے اور تم غافل رہو، یہ انہیں نہیں بولنا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ بعد میں بیٹوں نے اسی کو دلیل بنا لیا۔

اس سے عمل کی کیا بات ملی کہ دشمن کو کبھی بھی اپنی کمزوری نہیں بتانی چاہیئے۔ اور یہاں دیکھیں کہ باپ سے جھوٹ بولتے ہوئے ذرا سا بھی نہیں ڈر رہے کہ اگر باپ کو ہمارے ارادوں کا پتہ چل گیا تو کیا ہو گا۔

قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۴﴾ انہوں نے جواب دیا "اگر ہمارے ہوتے اسے بھڑیے نے کھالیا، جبکہ ہم ایک جتھا ہیں، تب تو ہم بڑے ہی نکمے ہوں گے"۔

انہیں بار بار اپنے جتھے پہ مان ہے۔ یہی مزاج آپکو بنی اسرائیل میں دِکھے گا۔ اُنکو اپنے جتھے پہ ناز تھا، ہمیں اپنی برادریوں پہ ناز ہے۔ اپنے آپ کو بڑا بنانے کے لیئے وہ ایسی باتیں بنا رہے تھے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوۡا بِهٖ وَاَجۡمَعُوۡۤا اَنۡ يَّجۡعَلُوۡهُ فِىۡ غَيٰبَتِ الۡجُبِّۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ لَـتُنَـبِّـئَـنَّـهُمۡ بِاَمۡرِهِمۡ هٰذَا وَهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵﴾

اِس طرح اصرار کر کے جب وہ اُسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں چھوڑ دیں، تو ہم نے یوسفؑ کو وحی کی کہ "ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا، یہ اپنے فعل کے نتائج سے بے خبر ہیں"۔

سب اس منصوبے پر متفق ہو گئے۔ بِہٖ میں ہٖ حضرت یوسف کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں کہ ہم نے حضرت یوسفؑ کی طرف وحی کی۔ یہ خفیہ وحی تھی جو حضرت یوسفؑ کی طرف کی گئی۔ ابھی نبوت کی عمر نہیں تھی کہ باقاعدہ وحی آتی لیکن یہاں بندۂ مومن کے دل کی حالت بتائی گئی کہ جب

لوگ اُس کی جان کے دشمن ہوتے ہیں، اُس پہ الزام لگتے ہیں، اُسکو باتیں سُننی پڑتی ہیں اُس وقت اللہ اُس کے دل کو مطمئن کر دیتا ہے۔ یہ کیا آپ کا نقصان کریں گے بلکہ آپ ایک دن انہیں بتاؤ گے کہ آپ سچے تھے۔ ہم تو اپنے بارے میں ذراسی بات سُن کے برداشت نہیں کر سکتے لیکن مومن ایسے وقتوں میں خاموش رہتا ہے کہ اچھا جو تم نے مجھ پہ جھوٹا الزام لگایا ہے، کل میں تمہارے سامنے اسکی تردید کروں گا۔ اور یہ وہ بات ہے جو اللہ کی رحمت کو جوش میں لاتی ہے۔ ہر وقت اگر اپنی ذات کے بُت کو ہی پوجتے رہیں گے تو یہ نعمت نہیں ملے گی۔ بھائیوں نے جو کرنا تھا کرتے رہیں آپ پریشان نہ ہوں۔ اب باپ کے پاس آ کے کیا شکلیں بنا رہے ہیں۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿١٦﴾ شام کو وہ روتے پیٹتے اپنے باپ کے پاس آئے۔

رات کو کیوں آئے تاکہ رات کے اندھیرے میں چہرے کے تاثرات چھُپ جائیں۔ رات کے اندھیرے میں گناہ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ طبیعتاً بھی اور ماحول کے مطابق بھی۔ جھوٹا رونا روتے ہوئے آ گئے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿١٧﴾

اور کہا "ابا جان، ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسفؑ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آ کر اُسے کھا گیا آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے چاہے ہم سچے ہی ہوں"۔

بھیڑیا سارا یوسف کھا گیا نہ ہڈیاں چھوڑیں، نہ کچھ اور۔ ثبوت کے لیے کیا کر کے آئے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور وہ یوسفؑ کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر آئے تھے یہ سن کر ان کے باپ نے کہا" بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا اچھا، صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا، جو بات تم بنا رہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جا سکتی ہے۔

اب حضرت یعقوبؑ کو کیسے پتہ چلا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں کہ قمیض پہ خون تو لگایا لیکن پھاڑنا بھول گئے۔ تو یہ کون سا مہذب بھیڑیا تھا جس نے پہلے قمیض اُتاری، پھر یوسفؑ کو کھایا۔ اسکو کہتے ہیں جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ جھوٹ کھُل کے رہتا ہے۔ یہ ہے نبی کا صبر۔ صَبْرٌ جَمِيْلٌ کیا ہے وہ صبر جس میں شکوہ بھی نہ کیا جائے۔ بس خون کے گھونٹ پیئے جائیں۔ غصے سے لال پیلا ہونا، رگوں کا پھڑکنا، منہ سے جھاگ نکلنا، اگلے سے غُراتے ہوئے بات کرنا، اسکو صبر جمیل کیا صبر بھی نہیں کہتے۔

اگر یعقوبؑ کی جگہ آپ ہوتے تو کیا کرتے۔ ان بچوں کی ہڈی پسلی ایک کر دیتے، پولیس کے حوالے کر دیتے۔ یہاں سے حضرت یعقوبؑ کا بڑا خوبصورت کردار ملتا ہے۔ اولاد سے بڑے سے بڑا غلط کام ہو گیا لیکن آپ صبر کر کے بیٹھے رہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے شعور کو بیدار کر دے۔ باپ کے ناتے سے اتنا خوبصورت کردار نہیں ملتا کہ اتنی بڑی غلطی کے باوجود نہ بچوں کو گھر سے نکالا نہ اُنہیں عاق کیا، نہ اُنکو دھمکیاں دیں بلکہ مناسب رویئے کے ساتھ وقت کا انتظار کیا۔ انسان کو اپنے اندر تحمل لانا چاہئیے۔

ہر وقت بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ، دھمکیاں، یہ کر دوں گی وہ کر دوں گی۔ پھر وہ بھی کہتے ہیں کہ اماں کا تو کام ہے۔ کم بول کے اُنکے شعور کو بیدار کریں۔ بعد میں آپ دیکھیں گے کہ کیسے یہی بھائی اپنی غلطی پہ شرمندہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔ آمین

لِّلسَّآئِلِيْنَ کا جو سوال تھا تو اس سے کون مُراد ہیں؟ یعنی یہ سوال کرنے والے کون تھے؟ تو اگر تفسیر کے مطابق بات لیں تو مشرکینِ مکہ مُراد ہیں اور اگر اسے wide spread کر دیں تو ہر بندہ قیامت تک کے لیے جو آیا ہے، جس کے ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ حضرت یوسفؑ اور انکے بھائیوں کا قصہ کیا تھا، اسکی حقیقت کیا ہے تو اس کے لیے بھی یہی ہے۔ یہ ایک عام بات ہے۔ لیکن ہم نے سبق کے آخر میں دیکھا کہ حضرت یعقوبؑ کا صبر بے مثال ہے اور اُنکے لئے یہاں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ کے ہیں۔ صبر جمیل کون سا صبر ہوتا ہے؟ وہ صبر جس میں شکوہ نہ کیا جائے۔ صبر آ ہی جاتا ہے اور صبر آتے آتے ہی آتا ہے لیکن موقع آنے پر یا تکلیف آنے پر اگر صبر کیا جائے تو اُس وقت کا صبر حقیقت میں بہت ڈھارس دیتا ہے۔ ایک عورت کو نبیؐ نے ایک قبر پر بین کرتے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے فرمایا صبر کر۔ وہ آپؐ کو پہچان نہ سکی اور کہنے لگی کہ جو تکلیف مجھے پڑی ہے اگر تمہیں پڑتی تو پتہ چلتا۔ عموماً ہم یہ سوچتے ہیں کہ دوسرے کو میرے حالات کا کیا پتہ۔ تو اللہ کے نبیؐ نے فرمایا صبر ہے بھی یہی کہ چوٹ پڑنے کے وقت پر کیا جائے۔ تو صَبْرٌ جَمِيْل وہ ہے کہ جس میں شکوہ نہ ہو، فریاد نہ ہو اور جزا و فضا نہ ہو۔ کسی بھی مصیبت کو دل سے برداشت کیا جائے۔ یعنی صبر جمیل میں اپنے غم کو صرف اللہ کے سامنے پیش کرنا ہے۔

آگے پھر چوٹ پڑے گی تو حضرت یعقوبؑ کے زبان سے جو صبر کے الفاظ نکلیں گے تو ہم انشاء اللہ اسکی زیادہ تفسیر دیکھیں گے۔

لیکن پچھلے سبق کا خلاصہ یہ ہے کہ باپ اور بچوں کا بہترین کردار نظر آتا ہے۔ اگر ہمارے بچوں کی وجہ سے کسی بہن بھائی کو کوئی چوٹ ہی لگ جائے تو ہم بہت بولتے ہیں۔ ہر وقت کا ٹوکنا اچھا نہیں ہوتا۔ میں صبر جمیل کو سوچتی ہوں تو میرے ذہن میں گیسی غبارہ آتا ہے۔ پہلے بالکل چھوٹا سا ٹکڑا لگتا ہے پھر جب آپ اُس میں ہوا بھرتے ہیں تو وہ پھولنے لگتا ہے اور جیسے ہی آپ کے ہاتھ سے چھوٹے تو اوپر چلا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جب ایک انسان کو تکلیف آتی ہے تو گیس جو اُس کے اندر وزن پیدا کرے گی، جس سے انسان اوپر اُٹھے گا وہ انسان کا صبر ہے۔ ہم اُسکو ضائع کر دیتے ہیں۔ جب آپ دوسروں کی تکلیفوں کو اپنے اندر رکھتے ہیں تو دوسروں کو جلدی نرم کر لیتے ہیں۔ آپ دوسروں کو جلدی مائل کرتے ہیں۔ ہم پھٹ سے پھٹ پڑتے ہیں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ تکلیفیں دینے والے، دُکھ دینے والے اور آزمانے والے، اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہمیں زندگی میں کوئی دُکھ نہ آئے، ہمیں کوئی تکلیف نہ دے، تو آپ ان سب کو اپنے اندر رکھیں۔ یہ آپ کو گیسی غبارے کی طرح اونچا اُڑائے گی۔ پھر آپ کا ظرف بُلند ہو گا۔ پھر آہستہ آہستہ آپکی کیپیسٹی بڑھتی جائے گی۔ پھر ایک وقت یہ آئے گا کہ اگر کوئی آپ کو نہ ستائے تو آپ حیران ہونگے۔ اور اس سے آگے ایک اور وقت آتا ہے کہ آپ ستانے والوں کو دُعائیں دیں گے کہ اُنہوں نے مجھے تکلیف دی، اُس تکلیف پہ میں نے صبر کیا اور اُس صبر پہ اللہ کی طرف سے مجھے خوشخبریاں ملیں اور میرا وصف بڑھا۔

یہ وہ درجے ہوتے ہیں جنہیں ہم نہیں سمجھ سکتے۔ اور جس کو یہ درجے مل جاتے ہیں اُسکو نہ تکلیف، تکلیف دیتی ہے اور نہ خوشی تکلیف دیتی ہے۔ ہر موقع اللہ سے قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ شخصیتیں ایسے ہی نہیں بن جاتیں۔ ابھی ہم نے باپ کا صبر دیکھا ہے، آگے ہم بیٹے کا صبر دیکھیں گے۔ باپ کا صبر بیٹے کی جُدائی کا ہے۔ بیٹا جس سے پیار تھا، چھِن گیا۔ یوسفؑ کا صبر، ایک خوبصورت عورت دل دے رہی ہے۔ تو اس پوری سورۃ کا تھیم ہی صبر ہے۔ اور نام کتنا خوبصورت ہے۔ ہم کبھی بھی صبر کو خوبصورت نہیں کہتے۔ لیکن اللہ کہتا ہے صَبۡرٌ جَمِیۡلٌ۔

وہ لوگ خوبصورت ہو جاتے ہیں جو دوسروں کی باتوں پہ صبر کرتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ اگر کوئی بات کر دے تو ہم تو اُس کے اگلے پچھلوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ابو ہریرہ کی بات یاد آجاتی ہے کہ جب کسی نے اُن کو آ کے کہا کہ لوگ آپ کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ (ہم ہوتے تو وہیں رونے دھونے لگ جاتے، اور اپنی صفائیاں پیش کرنے لگ جاتے) تو اُنہوں نے کہا کہ میرے دوست مجھے تو ہر وقت صرف تین باتوں کا غم ہے کہ آج تو نیکیاں کر رہا ہوں، پتہ نہیں موت کس حال میں آنی ہے، اور یہ کہ میرا انجام کہیں سویا تو نہیں ہو گا یعنی بُرا تو نہیں ہو گا، اور جب اعمال ناموں میں وزن ہو گا تو کیا میرا پلڑا بھاری ہو گا اور تیسری بات یہ کہ جب پُل صراط سے جائیں گے تو اُس وقت میں خیر سے گزر جاؤں گا یا نہیں۔ اگر ان تین چیزوں سے ابو ہریرہ بچ کے نکل گیا تو اُس کو کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی اُس کو اچھا کہے یا بُرا کہے۔ (اگر میں اللہ کی نظر میں بُری نہیں تو کوئی بُرا کہہ لے کیا فرق پڑتا ہے) اور کہتے ہیں اگر میں ان تین میں سے کسی ایک مقام پر روک لیا گیا تو پھر دنیا کے ہر بندے کو اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ ابو

ہریرہ کی بُرائی کرے کہ دیکھو کتنا بدبخت تھا کہ بُری موت آئی اور نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں مل گیا اور پُل صراط پہ رُک گیا۔

تو اصل بات یہ ہے کہ جب زندگی کی ترجیحات بدلتی ہیں تو اُس کے بعد انسان اپنے آپ کو renovate کرتا ہے۔ صَبۡرٌ جَمِيۡل کیا ہے کہ انسان ایک نئی شخصیت بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسکو توڑ کے، آزمائشوں کی بھٹی میں ڈال کے، تکلیفیں پریشانیاں دے کے اپنے کام کا بناتا ہے۔ یہ بات ہمیں سورۃ طہٰ میں حضرت موسیٰؑ کے تناظر میں ملے گی۔ ہم نے تو تمہیں آزما آزما کے آزما لیا۔ پھر تیرا وہ کردار بنا جو ہمیں مطلوب تھا اور ہم نے تجھے چُن لیا۔ ہمارے اندر بہت کھوٹ کھپٹ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہمیں چُننا چاہتا ہے۔ اس لیے لوگوں کو کہتا ہے کہ اس کو دُکھ دو اس کو تکلیفیں دو۔ پھر اُس کے بعد اللہ تعالیٰ بچاتا ہے۔ اگر آپ یہاں تک کے حضرت یوسفؑ کے کردار کو دیکھیں اور نبی کریمؐ کے حالات اور کردار کو میچ کریں تو جب یہ سورۃ نبیؐ پہ نازل ہو رہی تھی، جیسے شروع میں بتایا کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا، لوگ آپ کی جان کے دشمن بن گئے، حضرت خدیجہ چلی گئیں۔ اُس کے بعد کیا ہوا، نبیؐ کے پلانز تھے۔ "دارالندوہ" میں آپ جمع ہوئے، وہاں بیٹھ کے انہوں نے میٹنگ کی۔ اسکو ریلیٹ کریں اُس میٹنگ سے جو بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے خلاف کی۔ اُسکے بعد بھائی باپ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم اسکو سیر کے لیے لے جاتے ہیں۔ اسی قسم کی پیشکش مکہ والوں نے بھی کی تھیں۔ نبیؐ کو جھانسے دینے کی کوشش کی اور بعض دفعہ آج کی زبان میں رشوتیں اور نذرانے دے کر اپنی طرف کرنے کی کوشش کی۔

پھر اللہ تعالی نے نبیؐ کو ہجرت کا حکم دیا۔ جب ہجرت کے لیئے نکلے تو آپؐ کے ساتھ ابو بکرؓ تھے۔ آپؐ غارِ ثور میں کچھ دن رہے۔ یہ وقت اب حضرت یوسفؑ کی زندگی کا ہے۔ دشمنوں نے سوچا کہ آپکو

راستے سے ہٹا دیں گے۔ ہم اسکو لوگوں کی نظروں سے اور محبتوں سے دور کر دیں گے۔ اُنکو نہیں پتہ تھا کہ یہ کنواں یوسفؑ کی ترقی اور اُن کی بادشاہی اور مصر کے وزیرِ خزانہ بننے کی راہ ہموار کر رہا ہے۔ اسی طرح اللہ کے نبیؐ تین راتیں غارِ ثور میں چھُپے لیکن مدینہ میں آنے کے بعد آپؐ کو کتنا زیادہ عروج ملا۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اگلے دور میں یوسفؑ کو غلبہ دیا اسی طرح انؐ کو بھی دیا۔ پھر اسی طرح جب نبیؐ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے گئے تو اُس کے بعد تقریباً چھ سال تک مدینہ میں خوب حالات تنگ رہے، اُس کے بعد جنگ نہ کرنے کا ایک معاہدہ ہوا جسے "صُلحِ حُدیبیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اب حضرت یوسفؑ کی زندگی کے بھی اگلے ادوار چلے۔ بالآخر فتحِ مکہ کے موقع پر آٹھ ہجری میں نبیؐ کے سامنے وہ سارے تھے جنہوں نے آپؐ کو پچھلے تیرہ اور آٹھ، تقریباً 21 سال سے ستایا ہوا تھا۔ اور اُن سب کو فکر تھی کہ پتہ نہیں آج اللہ کے نبی ہمارے ساتھ کیا کریں گے۔ لیکن آپؐ نے اُس وقت یہی کہا کہ میں تمھیں وہی کہوں گا جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ آج کے دن تمہاری کوئی پکڑ نہیں ہے اور تمھیں اللہ معاف کرے اور میں بھی تمہارے لیے دعا کروں گا۔

یہ کردار اللہ کے نبیؐ کو کیوں دکھائے جا رہے ہیں کہ آنے والے وقت میں آپ کے ساتھ بھی یہ سب ہونے والا ہے۔ آخری بات؛ اس طرح تجھے تیرا رَب چُنے گا۔ باپ بیٹے کے خواب کی کیا تعبیر دے رہے ہیں کہ اللہ تجھے چُنے گا اور اگلے ہی دنوں میں کیا ہوا کہ بیٹا بھائیوں کے حسد کا شکار ہو گیا۔ کیا پتہ چلا کہ ضروری نہیں کہ کسی بھی خواب کی تعبیر فوری ہو۔ جس دن ہم اللہ کے حکم سے کوئی اچھا خواب دیکھ لیتے ہیں تو سارا دن اِدھر اُدھر دیکھتے پھرتے ہیں کہ ابھی کچھ اچھا ہوا اور ابھی ہوا۔ اچھا خواب دیکھا اور اُس سے اگلے چند دنوں میں کوئی آزمائش آ گئی۔ حضرت یوسفؑ کا خواب چالیس سال بعد پورا

ہوا۔ علماء کہتے ہیں کہ خواب پورا ہونے کی حد عمر چالیس سال ہے۔ اللہ اپنے کاموں کی باتیں خوب جانتا ہے۔ پھر ایک بات ذہن میں آگئی کہ بڑے بھائی نے یہ کیوں کہا کہ چلو اسے مارو نہیں کسی کنوئیں میں ڈال دو۔

یہاں اگر تقابل کریں تو اس بھائی کا کام دوسروں کی نسبت اچھا ہے لیکن علماء اکرام کہتے ہیں کہ اگر وہ اُس وقت پوا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا تو یہ کہہ دیتا کہ ایسا بالکل مت کرو، باپ سے اُسکا بیٹا جُدا کرادو گے تو تمہیں اس سے کیا ملے گا۔ تو یہ زیادہ بہتر تھا۔ لیکن ہم عموماً اپنی زندگی میں یہی کرتے ہیں۔ بڑے گناہ کو بڑا سمجھ کے نہیں کرتے اور چھوٹے گناہوں کو کرتے ہوئے ڈرتے نہیں۔ ہمارے گمان میں کیا ہوتا ہے کہ اللہ ہمارے چھوٹے چھوٹے گناہوں پہ تو صرف مُسکرا دے گا۔ چلو اب اتنا بڑا گناہ بھی تو چھوڑا تھا نا۔ تو یہ نہیں کرنا چاہیئے۔ لوگ آپ کے سامنے بڑے بڑے غلط کام کر رہے ہوتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ چلو میں نے وہ کام کیے تو نہیں، بس جا کے بیٹھ گئی تھی تو یہ بھی 'رُ بیل' یا 'یہودہ' کے کردار والی بات ہو جائے گی۔